

آ تو کدھر ہے اے پردیسی !
 بھیک لے مجھ سے اور یہ دعا دے
 ”نکلے یا رب حسرت دل کی
 سب کے بچھڑے خدا ملا دے !“
 ”آہ کہاں تک نالہ و زاری
 دور ہو یا رب درد جدائی !“
 ”جلد کہیں ہو فتح ہماری
 بخت سے ہے در پیش لڑائی“
 ”دشمن جاں ہے ساری خدائی
 مجھ سے فلک نے کی ہے برائی“
 ”اب نہیں اٹھتا بار جدائی
 آگے آئے میرے بھلائی“

اعرابی (لیلئی سے بھیک لے کے)
 مولا سے تو مراد پائے
 تیرے بچھڑے خدا ملائے
 خون کی ندی کون بہائے
 ایسی لگی کون بچھائے
 (دل میں)

قوم کا تیرے خون بہاؤں
 یار سے تیرے تجھ کو ملاؤں
 بار گنہ گردن پہ اٹھاؤں
 جس کی سزا اللہ سے پاؤں

گیارہواں سین - دربار خاص نوفل

نوفل (مجنوں سے سے مخاطب ہو کر)

قیس' ترے حال پہ آتا ہے رحم
آہ نہیں کچھ بھی تجھے عقل و فہم

تو نے سنا اپنے چچا کا کلام
دشمن جاں ہے وہ ترا لا کلام

پاس قرابت آسے بالکل نہیں
تیری محبت آسے بالکل نہیں

مستعد جنگ ہے وہ بے شعور
عقل میں ہے آس کی بلا شک فتور

سر بہ بلا کو وہ بلاتا ہے آپ
اپنی قضا کو وہ بلاتا ہے آپ

ہم نے یہ مانا وہ سلح شور ہے
قوم کا بھی آس کو بڑا زور ہے

۱۔ صنف کلام : مثنوی (خطابی یا مرقع) بحر سریع وافی مطوی موقوف یا مکسوف۔ وزن : مفتعلن مفتعلن فاعلان دوبار اور جہاں مکسوف ہے وہاں رکن آخر فاعلن ہے۔ قصد شاعر : نوفل کی طرف سے اظہار شان و شوکت فہائش کے پیرائے میں، مجنوں کی ہمدردی، مجنوں کی طرف سے جواب دیوانگی عشق کے ساتھ۔ نوفل جرم عہد شکنی کی حمایت میں خدا ترسی کو پیش کرتا ہے۔ اپنی کنیزوں کو لیالی سے بہتر سمجھ کر مجنوں کو دکھاتا ہے مگر نوفل نے مجنوں کے مرض کی تشخیص میں غلطی کی۔ یہ امر مجنوں کے لیے طبیاً مضر ہے۔ پس ضرور تھا کہ مجنوں کو ”مونومانیا“ کا دورہ شروع ہو جائے۔ بہر صورت نوفل سے کوئی اخلاقی غلطی ظہور میں نہیں آتی، وہ صرف خطائے طبی کا ملزم قرار دیا جا سکتا ہے۔

شاہ رعایا کی بھلا جنگ کیا
دیکھ تو ہے اس کو یہ آہنگ کیا

ہم سے لڑائی کا ہے اس کو خیال
میں نے تو چاہا تھا کروں پائمال
روک نہ لے مجھ کو وزیر آج اگر
فوج ظفر موج بڑھی تھی ادھر

تیغ شرر بار ہے بے زینہار
نجد میں بچتا نہ کوئی نام دار
خون رعیت کا خیال آ گیا
روز قیامت کا خیال آ گیا

چاہتا ہے دشمن جانی کو تو
روگ لگاتا ہے جوانی کو تو
ایسوں کی آفت کو تو اب دل سے چھوڑ
ایسے عزیزوں سے تو رشتہ نہ جوڑ

چھوڑ دے لیلیٰ کا نہ لے نام اب
اس کی محبت سے نہ رکھ کام اب
میں تو سمجھتا تھا کہ ہے کچھ حسین
آنکھ سے دیکھ آیا ، وہ کچھ بھی نہیں

بھیس بدل کر میں گیا رات کو
دیکھ لیا بس تری اوقات کو
حسن کی کچھ شان نہ کچھ آن بان
بس اسی صورت پہ تو دیتا ہے جان ؟

حور شائل تری لیلیٰ نہیں
پیار کے قابل تری لیلیٰ نہیں

گو وہ حسین ہو مگر ایسی نہیں
میری کنیزوں سے بھی اچھی نہیں
(کنیز ہائے نوفل آتی ہیں)

(کنیزوں کی طرف اشارہ کر کے)

دیکھ تو کیسی ہیں یہ جادو نظر
تو جنہیں دیکھا ہی کرے عمر بھر
دیکھ تو ہیں ماہ جبین یا نہیں؟
پیار کے قابل یہ حسین کیا نہیں؟
کیسی یہ دلبر ہیں ذرا دیکھ تو
اُس سے تو بہتر ہیں ذرا دیکھ تو
گوکہ یہ پیاری ہیں مجھے سب کی سب
آج سے دیتا ہوں تجھے سب کی سب
مال بھی لے خلعت و پوشاک بھی
منصب و جاگیر بھی املاک بھی
خدمت شاہی سے سرافراز ہو
روم کے سرداروں میں ممتاز ہو
مجنوں (دل میں)

آہ فلک کیا یہ سناتا ہے تو
پھر مجھے دیوانہ بناتا ہے تو
(نوفل سے)

عتل کدھر ہے تری اے بادشاہ!
شرط یہی تھی مری اے بادشاہ!؟

عہد تیرا کیسا ہے نا پائدار
تیرے سخن کا نہیں کچھ اعتبار

ہیچ ہے تو، پوج ہے تیرا سخن
 دیکھ لیا تجھ کو بھی پیہاں شکن
 مجھ کو خبر کیا کہ ہے کیا روم و شام
 دل میں ہے یاں یاد صنم صبح و شام
 دشت سے مسکن کوئی بہتر نہیں
 خاک سے خوش تر کوئی بستر نہیں
 قائم و سنجاب سے کیا کام ہے
 اطلس و کم خواب سے کیا کام ہے
 (کپڑے اتار کے اور نوافل کے آگے پھینک کے)
 ہے یہ تیرا خلعت و پوشاک خاک
 لا وہ میرا بیرہن چاک چاک
 خلعت و پوشاک کی پروا نہیں
 منصب و املاک کی پروا نہیں
 قدر ہو لیلٰی کی تجھے کیا بھلا؟
 میرا ما دل میری سی آنکھیں تو لا
 تیری کنیزوں میں کہاں وہ پہن
 نام خدا فرد ہے وہ گل بدن
 عشق کی کیا تجھ کو خبر بے تمیز
 حسن کو کیا جانے کہ ہے کون چیز
 چاہوں میں جس کو وہی محبوب ہے
 جس پہ دل آ جائے وہی خوب ہے
 تیرے حسین تجھ کو مبارک رہیں
 درد و الم مجھ کو مبارک رہیں

دل کو مرنے ساز ہے اس غم کے ساتھ
 الفت لیلیٰ ہے میرے دم کے ساتھ
 (قیس کا دیوانہ وار دشت کو چلے جانا)

بارہواں سین — صحرا
 (عالم یاس میں نالہ و زاری و بے قراری)
 مجنوں (حالتِ اضطراب میں)

اے 'فلک غم کی انتہا بھی ہے ؟
 درد دل کی کوئی دوا بھی ہے
 تا بہ کے ظلم اے خدا نا ترس ؟
 دیکھ اے مدعی ! خدا بھی ہے
 قتل کرتا ہے بے گنہ مجھ کو
 آہ کچھ میرا خوں بہا بھی ہے
 اے فلک ! ہم بھی جان رکھتے ہیں
 دل بھی ہے دل میں مدعا بھی ہے
 وصل جانان اگر ہے نا ممکن
 میری تقدیر میں قضا بھی ہے

۱۔ صنف کلام : غزل مسلسل ، بحر خفیف وافی مخبون مسکن
 محذوف یا مقصور۔ وزن : فاعلاتن مفاعیلن فعلن دوبار اور جہاں قصر ہے وہاں
 رکن آخر فعلان ہے ۔ قصد شاعر : اظہار حالت یاس و اضطراب درجہ
 انتہا۔

قیس کے نزدیک اُس کے سب دشمن ہیں ، یہاں تک کہ اُس کے
 افعال و اعمال ۔ کسی نہ کسی پیرائے میں نوفل کی نصیحت کا خیال
 بھی اس کے ذہن میں منعکس ہو رہا ہے ، جیسا کہ اس مصرع
 سے ظاہر ہے ۔ ع

”دشمن جان وہ بے وفا بھی ہے“

کیا کہوں تم کو نالہائے دراز
 مدعی بختِ نا رسا بھی ہے
 ناوکِ آہ کیوں خطا کرتا
 اس میں تقدیر کی خطا بھی ہے
 جذبِ دل کا ققط نہیں ہے گلا
 کیا کروں بے اثر دعا بھی ہے
 کیا کہوں تجھ کو شوقِ شور انگیز
 آہ صبرِ گریز پا بھی ہے
 دل شوریدہ کم نہ تھا لیکن
 اک بلا جان مبتلا بھی ہے
 چرخ کا کیا گلا کرے کوئی
 دشمنِ جاں وہ بے وفا بھی ہے
 کس سے پوچھوں کدھر ہے کوچۂ یار
 بے خودی کوئی رہنا بھی ہے؟

مجنوں

دورِ گردوں ہے مجھے دردِ پھرانے کے لیے
 میرے باعث سے ہوئی گردشِ زمانے کے لیے
 بے نوائی ہو مقدر میں تو کیجئے عاشقی
 یہ بہانہ خوب ہے ذلت اٹھانے کے لیے

۱۔ صنفِ کلام : غزل ، حسبِ حال - بحرِ رمل وافی محذوف - وزن :
 فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبارہ ، قصدِ شاعر : مجنوں پر وہ شدت
 جنوں کی طاری نہیں ہے جیسا کہ پچھلی دو نمائشوں میں ظاہر کیا
 گیا ہے - اب اس کو کسی قدر آفاقہ ہے - اس صورت میں اگلے
 پچھلے حالات کا انعکاس ہو رہا ہے -

جز الم حاصل نہ ہوگا میرے خرمن سے مجھے
 منتظر ہے آسمان بجلی گرانے کے لیے
 شام غم کی آفتیں اے دل ! میں تجھ سے کیا کہوں
 کون کس کس بھیس میں آیا ڈرانے کے لیے
 اس نزاکت کا برا ہو کچھ نہ نکلا کام دل
 تو ہی اے شوخی ! ابھار اس کو ستانے کے لیے
 واں تغافل ہے سراسر، خوش ہوں یاں میں سادہ دل
 اک ادا ہے یہ بھی الفت آزمانے کے لیے
 اپنے صورت گر سے پوچھوں میں اگر مقدور ہو
 کیا بنایا تھا مجھے تو نے مٹانے کے لیے ؟
 ہجر کی شب کے بنانے میں بھی تھی اک مصلحت
 طول آخر چاہیے تھا کچھ زمانے کے لیے
 زندگی میں ہے ہمیں دوزخ کہ دل رکھتے ہیں ہم
 کم ہے یہ آتش کا ہرکالہ جلانے کے لیے
 موت کے آنے سے ہم فرقت زدہ یوں خوش ہوئے
 جیسے اُن کا آدمی آیا بلانے کے لیے
 منزل مقصود تک 'مرزا' پہنچ ہی جائیں گے
 خضر دل ہم راہ ہے رستہ بتانے کے لیے
 (پردہ گرتا ہے)

ایکٹ چہارم

پہلا سین — ساقی نامہ

(بہت سے لوگ مل کے گاتے ہیں)
(کورس)

ساقیا ' لا کہ بہار آئی ہے
لا پیالہ کہ بہار آئی ہے

ساقیا بادۂ گلفام پلا
دُرد سے صاف ہو ، وہ جام پلا

قرض دے قرض کہاں دام رہے
فاقدہ مستوں میں مرا نام رہے

ساقیا بادۂ انگوری دے
دُرد آ شام کی دستوری دے

مشورے ہیں ترے مے خواروں میں
آج شب بھر تو رہے یاروں میں

۱۔ صنف کلام : مشنوی بحر رمل مجزو و مخبون مسکن محذوف یا مقصور - وزن : فاعلاتن فاعلاتن فعلن ، دو بار - جہاں قصر ہے وہاں رکن آخر فعلان ہے - قصد شاعر : تشبیہ ، براءت استہلال - سامعین کی طبیعت کو ان مضامین کی طرف سے جو پچھلی نمائشوں میں بیان کئے گئے ، اور طرف متوجہ کرنا - ایک ہی طرز کے بیان سے طبیعت آکتا جاتی ہے - شاعر اور خطیب کو ضرور ہے ، تجدید خیالات کا لحاظ رکھے -

بادۂ ناب کے جلوے دیکھیں

شبِ مستاب کے جلوے دیکھیں

جمعگھٹے خانۂ خار میں ہوں

جب اٹھیں واں سے تو گلزار میں ہوں

سر دھنیں زہد و عبادت والے

جھومتے جائیں ترے متوالے

اور سامانِ طرب ہوتا ہے

آج مطرب بھی طلب ہوتا ہے

ساز و سامان سے چلیں گلشن میں

توڑ کر پھول بھریں دامن میں

آج ہر بات میں رنگینی ہو

خوب گل بازی و گل چینی ہو

التجا تجھ سے یہ ہے اے ساقی !

ساتھ لے شیشۂ مے اے ساقی !

بہنگیوں پر تو ہوں دو چار سب

کشتیوں میں ہوں کبابِ آہو

نرگسی ہوں وہ کبابِ اے ساقی !

ارغوانی ہو شرابِ اے ساقی !

خوب بدنام ہوں وہ بات کریں
آج واعظ کی مدارت کریں

کچھ سر انجامِ ظرافت ہو آج

زاہدِ خشک کی دعوت ہو آج

کوئی مسجد کی طرف سے جائے
واعظ شہر کو لیتا آئے

اور ہو جائے اگر بیر تو ہو
مگر اس وقت ذرا سیر تو ہو

سامنے آس کے پٹیں خوب شراب
زاہد خشک ہو جل بہن کے کباب

واں جوانان چمن جھومتے ہوں
یاں ترے توبہ شکن جھومتے ہوں

کوئی 'مرزا' کو یہ دے جا کے پیام
جمع ہیں باغ میں سب مے آشام

لطف صحبت کا نہیں تیرے بغیر
تو نہ ہو جب تو ہے کیا باغ میں سیر

کون سنتا ہے بیانِ بلبل
بارِ خاطر ہے فغانِ بلبل

چھوڑ افسانہ قیس و لیلا
قصہ غم کو بہت طول ہوا

چٹکلا کوئی ظرافت کا سنا
حال طرار کی الفت کا سنا

اس کو خیلا سے تھی کیسی الفت
کس طرح آس نے نباہی چاہت

کیا اس آغاز کا انجام ہوا
کس طرح شہر میں بدنام ہوا

دوسرا سین — دکان مے فروش
طراز (دل میں)

آج 'کلوار کو دے کے بھڑا
خوب جی بھر کے پیتے ہیں ٹھڑا
جس کی ہر بوند ہو جیسے چھڑا
جس کو پیتے ہی لگ جائے گھڑا
(مے فروش سے)

ساقیا ایک آدھا تو لادے
اور گزک کو کچالو منگا دے
آج پکے گھڑے کی پلا دے
ایک 'چلو' میں آلو بنا دے
(مے فروش)

آؤ طراز بانکے کہاں تھے؟
آج سب دام لینا ہیں تم سے

طراز

ایک کوڑی نہیں یاں گرہ میں
مفلسی میں تمہیں دام کیا دیں

۱۔ صنف کلام : ابیات، بحر متدارک وافی اخذ، وزن : فاعلن فاعلن فاعلن
فع ، دوبار۔ قصہ شاعر : اظہار وضع و احوال طراز - طراز کی بول
چال سے اس کا شہدا پن ظاہر ہے - وہ شراب پیتا ہے اور مدت سے پیتا
ہے اس لیے کہ کلوار کا مقروض ہے - بہ ہر صورت اس گفتگو اور
اس واقعے سے اس کے پچھلے حالات کا نشان بہ خوبی ملتا ہے - (کلوار
بمعنی مے فروش جو معمولی دیسی شراب ٹھڑا بیچتا ہے)

(مے فروش)

قرض دیں ہم بھلا تم کو کب تک ؟

دام اگلے نہیں پائے اب تک

طرار

ایک آدھا مجھے اور دو تم

صبح کو اپنے سب دام لو تم

(مے فروش)

آج تو خیر تم اور پی لو

کل جہاں سے بنے دام لا دو

(آدھا چڑھا کے اور کچالو زھر مار کر کے)

طرار (خود بخود)

یاں سے جاتا ہوں خیلا کے گھر پر

اس کا فقرے سے لاتا ہوں زیور

تیسرا سین ۔۔ مکان زھرہ طوائف

(کمرہ خیلا کوچی)

خیلا (طرار کو دیکھتے ہی)

اجی ' تم تو جھوٹوں کے سردار نکلمے

دغا باز عیار متکار نکلمے

۱۔ صنف کلام : غزل (یا قطعہ) خطابی یا مرقعی ۔ اس کو غزل

اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں مضامین عشقیہ بھی شامل ہیں ۔

بحر متقارب وای سالم ۔ وزن : فعولن فعولن فعولن ، دو بار ۔ قصد

شاعر : خیلا اور زھرہ کی بے رخی ، طرار کی طرف سے اظہار محبت ظاہری ،

بیہودہ دھمکی ، جعل و فریب ، راہ گیروں کی زبان سے نصیحت ۔

طرّار

ترے واسطے گھر سے دلِ دار نکلے
غضب ہے اگر تو دلِ آزار نکلے

خیلا

سمجھتی تھی زرِ دار میں تم کو پہلے
مگر تم تو بالکل ہی نادار نکلے

طرّار (سمجھانے کے لہجے میں)

نکل چل مرے ساتھ تو لے کے زیور
تو کچھ آرزوئے دلِ زار نکلے

خیلا (دھمکانے کے لہجے میں)

سنیں گی جو بیوی تو ماریں گی جوتے
نہ یہ بات منہ سے خبردار نکلے
(زہرہ آتی ہے)

زہرہ (تعجب کے لہجے میں)

یہ رنڈی بھگانے کی کیا گفتگو تھی
بڑے آپ طرّار فرار نکلے
طرّار (زہرہ سے)

جو یہ خود نکلنے کو کہتی ہو مجھ سے
تو پھر منہ سے کیوں حرف انکار نکلے
زہرہ (طرّار سے)

بلا شک تمہاری اگر ہو یہ راضی
ابھی میرے گھر سے یہ مردار نکلے

خیلا (نہایت تعجب سے)

ارے مردوے جھوٹ کیوں بولتا ہے
ترے ساتھ بندی کی پیراز نکلے

طرار (خیلا سے ، دھمکا کے)

ابھی ناک کاٹوں میں چاقو سے تیری
اگر تو کسی سے گرفتار نکلے

خیلا (طرار سے چلا کے)

نہ لینا نہ دینا اور اس پر حکومت
بڑے آپ بانکے طرح دار نکلے

زھرہ (طرار سے)

نہ پیسہ نہ کوڑی اور اس پہ یہ دھمکی
بڑے آپ رنڈی کے مختار نکلے

(اپنے نوکروں سے)

کوئی ہے ! اسے دے کے دھکے نکالو
مرے گھر سے فوراً یہ بدکار نکلے

طرار (نہایت غصے میں)

لگائیں اگر ہاتھ مجھ کو یہ بھڑوے
ابھی میان سے میرے تلوار نکلے

زھرہ (کسی قدر سہم کے)

یہ دھمکی کسی اور کو دیجیے گا
مری جان کو آپ خوں خوار نکلے

طرار (اور دھمکا کے)
 مرے باپ کا نام لیتی ہے قحبہ
 سخن پھر نہ منہ سے یہ زہار نکلے
 نوکر (طارار کو پکڑ کے)

ابھی جا کے دیتے ہیں اس کو پلس میں
 اگر پاس سے اس کے ہتیار نکلے
 (جوتے پڑتے جاتے ہیں)
 نکل یاں سے موذی نکل یاں سے مردک
 طرار

اے یار! نکلے، اے یار! نکلے

سین (۳) — کوچہ دروازہ مکان زہرہ طوائف
 طرار (افسوس کے لہجے میں)

نہ نکلی وہ جانِ جہاں ساتھ اپنے
 ولیکن ہمیں آخر کار نکلے

ایک راہ گیر
 نکلتے نہ تم تو کبھی گھر سے اپنے
 مگر کیا کرو جب پڑی مار نکلے
 دوسرا راہ گیر

وہ رنڈی نہیں گھر میں بیٹھے کسی کے
 جو سو بار بار بیٹھے تو سو بار نکلے

چوتھا سین — سرِ بازار

(خیلا کے فراق میں بے قراری)

خیلا سے ہے لڑائی، فریاد رس الہی
اب موت میری آئی، فریاد رس الہی
ہے وہ مجھ سے چھوٹی، ہے وہ مجھ سے روٹھی
ہے ہوئی جدائی، فریاد رس الہی
اب چل کے جان دوں گا، ہرگز نہ میں جیوں گا
یہ دل میں ہے سائی، فریاد رس الہی
لوٹدی

خلاق بے نظیری، دو روٹیاں خمیری
ڈیبا دیا ملائی، فریاد رس الہی
طرار

تھا عشق پاک ہم سے، یہ تھا تپاک ہم سے
نے وصل، نے جدائی، فریاد رس الہی
ہم نے تو کی بھلائی، دولت اسے کھلائی
کی اس نے بے وفائی، فریاد رس الہی
تقدیر نے چھڑایا، امداد کن خدایا
قسمت نے کی برائی، فریاد رس الہی

۱۔ صنف کلام : غزل بحر مضارع وافی اخرب سالم۔ وزن : مفعول
فاع لاتن مفعول فاع لاتن، دو بار۔ قصد شاعر : اظہار اس امر کا کہ وہ
نشہ شراب (یا عشق) جو خدمت گاروں کے جوتوں سے بہ مشکل اُترا ہے،
اب پھر سر پر چڑھا ہے۔ اس حالت کو نشے کی حالت کے سوا
اور کیا کہوں۔ اگر جنون عشق ہوتا تو پھر طمع زیور کی ہرگز
نہ ہوتی، مگر ہاں، ہم اس کو ایک اور قسم کا جنون کہہ سکتے
ہیں، یعنی اخلاق جنون۔

ہے مفلسی قیامت ، ہے نائکہ کو نفرت
کیوں کر ہو اب رسائی ، فریاد رس الہی
لونڈی

اب زر نہیں کمر میں ، زر نیست عشق میں
دیتے پھرو دھائی ، فریاد رس الہی
تو یار اس سے حلوا ، چرکٹ پہنسا کے لے جا
ہو جائے گی صفائی ، فریاد رس الہی
طرار

یارو کوئی ملا دے ، خیلا کو یاں بلا دے
اب لب پہ جان آئی ، فریاد رس الہی
لونڈی

آتا ہے تیرا بابا ، تو اس سے کہہ کے ملو
کر یہ بھی بے حیائی ، فریاد اس الہی
(خون خوار خاں آتے ہیں)

طرار (خون خوار سے التجا کے لہجے میں)

مجھے 'خیلا سے ملو دے اے باوا اے باوا
نہیں تو ہاتھ دھو مجھ سے اے باوا اے باوا

۱۔ صنف کلام : غزل مرقع - خونخوار کے بیان میں ردیف بدل دی گئی ہے۔ بحرہزج وافی سالم - وزن : مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن ، دو بار۔ قصد شاعر : طرار پر نشے کی حالت طاری ہے ، مگر بناوٹ بھی اس میں شامل ہے۔ خون خوار پر تنفر اور طیش کی حالت طاری ہے۔ ناظرین سمجھیں گے کہ اس نمایش میں شاعر نے ضرور مبالغہ کیا ہے۔ کبھی باپ بیٹوں میں اس بد تہذیبی کے ساتھی گفتگو نہیں ہو سکتی ، مگر مصنف افسوس کے ساتھ یقین دلاتا ہے کہ اس نے بہ چشم خود ایسے واقعات بلکہ اس سے بدرجہا بدتر اپنے ہم وطن بعض نوجوانوں میں مشاہدہ کیے ہیں۔ قاعتبروا یا اولی الابصار۔

نہ میں بیٹا ہوں پھر تیرا نہ تو باوا ہے پھر میرا
جو کی پہلو تھی تو نے اے باوا اے باوا

(کسی قدر غصے سے مگر تمسخر کے لہجے میں)

مروں میں عشق میں کب تک نہیں لیتا خبر اب تک
اے بوبک ، اے بڈھے ، اے باوا ، اے باوا !

خون خوار خان (بہت تعجب سے)

یہ کیا انداز ہیں تیرے ، اے مردک ! اے گرگے !
یہ کیسے سیکھے ہیں شیوے اے مردک ! اے گرگے !
”اے باوا ، اے باوا !“ یہ کیا بکتا ہے تو مرغے
اے یہ گفتگو ہم سے ؟ اے مردک ، اے گرگے !
ملاؤں تجھ کو خیلا سے یہ تو کہتا ہے باوا سے
تو ہم تیرے نہیں بھڑوے ، اے مردک ، اے گرگے !

طہار (تمسخرِ نفرت انگیز کے ساتھ)

ارے وہ جان ہے میری ، ارے ایمان ہے میری
ادا پر اس کی میں صدقے ، اے باوا ! اے باوا !
جو اس وقت مصیبت میں نہ آیا کام تو اپنے
تو کیا امید ہے تجھ سے ، اے باوا ! اے باوا !
مرے نانا (خدا بخشے) اگر اس وقت میں ہوتے
ابھی خیلا سے ملواتے ، اے باوا ! اے باوا !

خون خوار (نفرت سے)

خراب اس نے کیا تجھ کو وہ جائے گا جہنم کو
پڑیں گے گور میں کیڑے ، اے مردک ! اے گرگے !

طرار (فخر کے ساتھ)

اے آن کو خدا بخشے، دیا کرتے تھے جب پیسے
 آڑائے خوب کنگوے، اے باوا! اے باوا!
 بڑھایا سات تاری پر تو اکثر تیلی کاٹی
 دیے وہ ڈور پر مانجھے اے باوا! اے باوا!
 لڑا میدان جب راجا سے اور نواب دولہا سے
 نکالے ہم نے بھی لگے، اے باوا! اے باوا!
 ہوئے مشاق ہم ایسے بیروں کے لڑانے میں
 کریزوں سے لڑے بھگتے، اے باوا! اے باوا!
 کبوتر کی ہوا آئی تو لے کر ہاتھ میں چھپی
 آڑائے خوب ہی پٹھے، اے باوا! اے باوا!
 ہوا جب راگ کا لہرا ملے ہم تان رس خاں سے
 بڑھائے خوب یارانے، اے باوا! اے باوا!
 بہت کیں منتیں آن کی، بہت کیں خدمتیں آن کی
 لیے پھرتے تھے طنبورے، اے باوا! اے باوا!
 یہی تھے رات دن چرچے، یہی تھے رات دن جلسے
 بجائے خوب ہی طبلے، اے باوا! اے باوا!
 ہوا یاروں میں جب رہنا، چرایا ماں کا سب گمنا
 آڑائے خوب گل جھڑے، اے باوا! اے باوا!

خون خوار (نہایت طیش میں دانت پیس کے)

گھرانے کی مٹائی آبرو کم بخت کیوں تو نے
 اے تجھ سے خدا سمجھے! اے مردک اے گرگے!